خطبہ فتحِ مکہ اور ہماری حیاتِ اجتماعی کا انحراف

ڈاکٹر محمد عارف خان ساقی

استاد: شعبہ علومِ اسلامیہ، جامعہ کراچی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ حجرات میں ملتِ اسلامیہ کی پرشکوہ عمارت کو سنگِ بنیاد عطا فرمایا ہے۔ یہ ہماری ملت کی معاشرتی وعمرانی اُساس ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ. (الحجرات:۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! یقیناً ہم نے تم لوگوں کو ایک مرد ایک ہی عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تم لوگوں کے عمرانی دھڑے اور قبیلے بنا دیئے ہیں تا کہ آپس میں ایک دوسرے کی پہچان کر سکو، بلا شک وشبہ تم میں عزت وتکریم کا زیادہ حقدار وہ ہے جو معصیت سے احتیاط و پرہیز کا زیادہ جذبہ رکھنے والا ہے، یہ حقیقت ہے کہ اللہ علیم وخبیر ہے۔

اُسوہ عمرانی کی اس اُساس کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے تعبیری جامہ پہنایا تھا۔ بعد ازیں خطبہ حجۃ الوداع میں بھی اسی تعبیر اور اس کی عملی تکمیل پر زور دیا گیا ہے۔ مگر یہ احساس بہت ہی دکھ بھرا اور کرب انگیز ہے کہ ہم سب اجتماعی طور پر ملت کی اس معاشرتی وعمرانی اُساس سے منحرف ہو چکے ہیں۔ اور صدیاں بیت چکی ہیں مگر کسی کو اس انحراف اور اس کے سنگین نتائج کی کوئی فکر و پرواہ تک نہیں ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح ہوا تو اس موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں بنیادی بات مسلم اُمہ کی عمرانی ساخت کے تعلق سے تھی۔ اس لحاظ سے خطبہ فتح مکہ عمرانی اُساس کی تعبیر وتوضیح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور پوری طرح سے اس لائق ہے کہ اُصولِ مساواتِ انسانی کے تحت عالمی سطح پر بنی نوعِ انسان کے جملہ افراد وطبقات کو سمیٹ کر ایک ہی وحدتِ عمرانی میں ضم کر دے۔ اسی اُصول کی بنیاد پر ایک عالمگیر معاشرہ کی تشکیل میں قدرتی مدد فراہم ہوسکتی ہے۔ یہ خطبہ ابدی وسرمدی اُصولوں کا آئینہ دار ہے۔ اور بلا شبہ جو سماجی اجتماعیت، اور عمرانی معاشرت ان اُصولوں پر قائم ہوگی وہی ٹھوس اور پائیدار بھی ہوگی اور جاندار بھی۔ حیاتِ اجتماعی کی مشکلات کے حل کی کلید اسی کے پاس ہے۔ اور اس کا کوئی بھی کار آمد متبادل نہیں ہے۔ عالمگیر معاشرت کے لیے یہ جملہ اُصول واقدار خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اُسوہ عمرانی کے ذریعے روبہ کار لا کر بھی دکھا دیئے تھے۔ اور اس کے فوائد وثمرات سے بھی جملہ یگانے وبیگانے بہرہ اندوز بھی ہوئے تھے۔ مگر شائد انسانیت ابھی

اس فریب سے پوری طرح باہر آنے کے لیے تیار نہ تھی کہ زور وزبردستی کی بنیاد پر بھی دیرپا تسلط جمائے جاسکتے ہیں۔ اور یوں خلقِ خدا کو قابو میں رکھ کر ان پر حکمرانی کے مزے لوٹے جاسکتے ہیں۔ ماضی میں اس کی کئی مثالیں ہیں بلکہ تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ مگر نئے دور اور نئے حالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ آنے والے وقتوں میں یہ مشق سوائے ذلت و رسوائی کے اَور کچھ نہیں دے سکے گی۔ یہی نہیں بلکہ جب ایسوں کا اقتدار تباہ ہوتا ہے تو صفحۂ ہستی سے کچھ اس طور نابود ہوتے ہیں کہ تاریخ ان کی مذمت اور برائیوں کا صحیفہ نظر آنے لگتی ہے۔ بنواُمیہ، بنوعباس، مغل شہنشاہیت و دیگر ایسے بہت سے نقوش مختلف وقتوں میں دنیا پر چھائے رہے ہیں جنہیں یہ زعم تھا کہ ان کی حدودِ سلطنت میں ان کی مرضی کے خلاف پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ مگر آج ہمیں مقابر و آثارِ قدیمہ میں ہی نظر آتے ہیں۔ اور کئی تو ایسے بھی ہیں جن کی فقط مذمت ہی باقی رہ گئی ہے باقی کچھ نہیں بچا۔ درحقیقت ماضی میں ہوتا یہ رہا ہے کہ افراد کی خاطر اُصول توڑے یا مار دیئے جاتے تھے۔ اور کسی کو ندامت تک نہیں ہوتی تھی۔ افراد نے ہمیشہ رہنا تھا نہ رہے۔ جاتے جاتے چلے تو گئے مگر ان کے ہاتھوں ہوا یہ کہ بنیادی انسانی اُصولوں اور اقدار کا جنازہ نکل گیا۔ یہ کھلی چھوٹ جب تک تھی تو تھی۔ اب اس کی بساط لپٹتی صاف نظر آ رہی ہے۔ قدیمی انسانی نظام جو صدیوں بلکہ ہزاروں سال سے خلقِ خدا کے دلوں پر اپنی دھاک جمائے بیٹھے تھے، نقد و نظر کی زد میں آ کر آج تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔ سوشلزم اپنی موت آپ مر چکا ہے۔ خیر یہ تجربہ کچھ زیادہ پرانا بھی نہیں تھا۔ اب سرمایہ دارانہ نظام کے تانے بانے کمزور پڑتے جا رہے ہیں۔ عالمی سطح پر اس کے ظالمانہ طرزِ عمل کے خلاف جذبات پیدا ہو رہے ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت ہی ناپائیدار بنیادوں پر خود کو عالم کے لیے ناگزیر سمجھنے کی غلطی کرتا آیا ہے۔ ایک انسان خود خواہ کتنا ہی زیرک و دانا ہو، ماضی اور حال سے آگے نہ دیکھ سکتا ہے نہ راستہ دکھانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ وقت جب گزر جائے گا تو ایک روز وہ اور اس کا سب کیا دھرا قصہ پارینہ بن کر تاریخ کے صفحات کی زینت بن جائے گا۔ یہ نقش ناپائیدار ہے اور ناپائیدار ہی رہے گا۔ ہمیشہ رہیگا نام بس اللہ رب ذوالجلال کا اور ہمیشہ رہنے والی اس ذات کا دیا ہوا نظام ہی دائمی و ابدی اُصولوں سے ہم آہنگ ہے۔ کوئی اَور نظام اس کی جگہ نہ کبھی لے سکا ہے اور نہ کبھی لے سکے گا۔ انسان کی کمزوری یہ ہے کہ اس کو بہکتے دیر نہیں لگتی۔ خود فریبی اور خوش فہمی بہت ہی جلد اس کو اپنا شکار بنا لیتے ہیں۔ پھر انجام سے بے خبر ہو کر آگے بڑھتا اور ٹھوکر کھائے بغیر سنبھل نہیں پاتا۔ آنکھوں سے خود فریبی کی پٹی دور کرنے کے لیے لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم کا ورد اور اس پر غور و خوض بہت مفید پایا گیا ہے۔

انسانی شعور میں روز بروز اضافہ کے باعث یہ مؤقف واضح طور پر درست اور قرینِ دانش نظر آنے لگا ہے کہ دنیا بہت جلد تمام رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے مساواتِ انسانی اور عدلِ اجتماعی جیسے اعلیٰ و ارفع مقاصد کے حصول کی طرف متوجہ ہوگی اور ظالمانہ وضع کے جملہ نظاموں پر خطِ تنسیخ پھیر کر اعلیٰ انسانی اقدار کو بحال کرنے پر اپنی بیشتر توانائیاں لگا دے گی۔ متوقع

طور پر یہ مسلم اُمہ کا اجتماع تو ہوگا ہی ساتھ ہی دانش عالم کا اجتماع بھی ہوگا۔ اور یہ بھی بعید نہیں کہ قیادت کہیں اور ہی سے ابھر کر سامنے آئے۔ اس لیے قرآن حکیم اور اُسوہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی رہنما نہیں ملے گا۔ یہ بات اپنی جگہ بے پناہ اہمیت کی حامل ہے کہ بنی نوعِ انسان کے مابین پائے جانے والے علاقہ و زبان، امیر و غریب، رنگ و نسل اور ذات پات کے جملہ امتیازات کا خاتمہ کرتے ہوئے تمام ابنائے آدم کے درمیان سماجی مساوات کے قیام کے لیے اُصولی بنیاد فراہم کر دی گئی ہے۔ اس اُصولی بنیاد کی فراہمی سے ہی عدلِ اجتماعی کے قیام کی راہ ہموار ہوگئی ہے۔

آج اکیسویں صدی کی دوسری دہائی میں ہمیں ملتِ اسلامیہ کیا حیاء و نشأۃ ثانیہ کا ایک مشکل چیلنج درپیش ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ عمرانی میں ہدایت و راہبری کے لیے اس کی بھی نظیر موجود ہے۔ وہ یہ کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ملتِ ابراہیمی کے احیاء و نشأۃ ثانیہ کا ہی چیلنج درپیش تھا۔ چند آیاتِ قرآنیہ ملاحظہ کیجیے:

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ. (البقرہ:۱۳۵)

ترجمہ: ان لوگوں نے کہا: یہودی یا نصرانی بن جاؤ تم ہدایت پا جاؤ گے، آپ فرما دیجیے: نہیں، بلکہ ابراہیم کی ملت، اللہ کے سوا اَوروں کی معبودیت سے لاتعلقی و بیزاری اختیار کرتے ہوئے، اور وہ ہرگز مشرکین میں سے نہ تھے۔

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (النحل:۱۲۳)

ترجمہ: پھر ہم نے آپ پر وحی بھیجی کہ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو، اللہ کے سوا تمامی معبودوں سے لاتعلقی و بیزاری رکھتے ہوئے، اور وہ مشرکین میں سے تو نہیں تھے۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ. (الحج:۷۸)

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں ایسا جہاد کرو کہ جہاد کا حق ادا ہو جائے، اس نے تم لوگوں کو منتخب کر لیا ہے، تمہارے اوپر دین کے معاملے میں کوئی دشواری رہنے نہیں دی ہے، ملت ہے تمہارے جد امجد ابراہیم کی، اس نے پچھلے صحیفوں میں بھی مسلم نام و پہچان دی اور اس میں بھی تاکہ رسول تمہارے اوپر گواہ رہے اور (رہتی دنیا میں) تم لوگوں پر گواہ رہو، تو پھر قائم کرو نظامِ صلوٰۃ اور ادا کرو زکوٰۃ اور اپنا بچاؤ و تحفظ یقینی بناؤ اللہ کی مدد سے وہی تمہارا والی وارث ہے، تو کتنا اچھا والی وارث ہے اور کتنا اچھا مددگار ہے۔

اس لحاظ سے حیاتِ طیبہ کی ساری جہدِ مسلسل اس ملتِ ابراہیمی کے احیاء و نشأۃِ ثانیہ کے لیے ہی وقف رہی ہے جس کی باقیات تک تقریباً پورے طور پر فنا ہو چکی تھیں۔ توحید کی جگہ شرک اور بت شکنی کی جگہ بت پرستی اختیار کر لی گئی تھی۔

ہم میں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بہت بڑا فرق بھی ہے جس کا لحاظ ضروری ہے۔ وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی و رسول بن کر آئے تھے اور ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بھی تھے۔ وجہ یہی تھی کہ صحفِ ابراہیمی، جن کا ذکر سورہ اعلیٰ کی آیت ۱۹ میں موجود ہے، کا نام ونشان تک مٹ چکا تھا۔ اس لیے ان تعلیمات کو ایک نئی حیات بخشنے کے لیے نئے صحیفے کے نزول کی ضرورت ایک قدرتی امر تھی۔ اور یہ نزولِ کتاب کا عمل نئی بعثت کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ یہ بعثت نہ ہوتی تو کیسے ہوتا کہ بنی نوع انسان کو ایک تازہ دم صحیفہ اور نعمتِ رشد وہدایت میسر آسکتی۔ قرآن حکیم آخری آسمانی صحیفہ بن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ پھر رب ذوالجلال کا یہ خصوصی کرم بھی ہوا کہ اس قرآن حکیم کی حفاظت کی ذمہ داری پروردگارِ عالم نے اپنے ہی پاس رکھی۔ اس طرح تا قیامِ قیامت یہ اپنی اُصل حالت میں ہی باقی اور موجود رہے گا۔ یہی ایک واحد کتاب ہے جس کا مطالعہ کرنے والے کو دیباچہ کے بعد اگلے متن کی ابتدائی سطور میں ہی یہ ضمانت بھی مل جاتی ہے کہ اس کے معاملے میں ہر طرح کا شک وشبہ باطل و بیکار ہے (البقرہ: ۲) اس کتاب اللہ کے ماسوا کہیں کسی اَور کتاب کے تعلق سے ایسی ضمانت خود خالقِ کائنات نے عطا نہیں فرمائی ہے۔ فقط ہماری اپنی باتیں ہیں۔ اور وقت پڑنے پر ان کی کوئی وقعت وحیثیت نہیں رہ جائے گی۔ لہٰذا اس کے ماسوا سے استفادہ میں بہت احتیاط برتنے کی ضرورت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حفظ وامان میں نہیں رہی ہیں جیسے کہ قرآن حکیم رہا ہے۔ اس لیے فی زمانہ قرآن حکیم ہی ہماری سب سے بڑی دلیل اور ہمارا سب سے بڑا سہارا ہے۔ اسی کے سہارے عصرِ حاضر میں ہم ملتِ اسلامیہ کے احیاء ونشاۃِ ثانیہ کی سعی اور اس کی جملہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے پابند ہیں۔ سنت نبوی اور اُسوہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قدم پر ہماری رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائے گا۔

ملتِ اسلامیہ کی موجودہ حالت خود گواہ ہے کہ ہم دین اسلام، قرآنِ حکیم اور اُسوہ رسول کریم سے ترکِ تعلق کرتے ہوئے بہت دور نکل آئے ہیں۔ ہماری آج کی معاشرت کسی طرح سے بھی اس معاشرت کے مماثل ومترادف نہیں ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی۔ ہر طرح کی نیکی، خیر اور صلاح وفلاح تو فقط اسی کے ساتھ وابستہ تھی۔ اور یہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا لازمی تقاضا تھا کہ ہم اسی راستہ پر قائم رہتے مگر، وجہ جو بھی رہی ہو، ہم یہ لاج نبھانے میں کلی طور پر ناکام رہے ہیں۔ اس لیے اگر ہم صلاح وفلاح کے بارے میں اور قوم کی نشاۃ نو کے حوالے سے فکر مند ہیں اور اپنی دنیوی واخروی کامیابی وکامرانی کے متمنی ہیں تو اس کی ایک ہی سبیل ہے کہ ہم اپنی اُصل کی طرف لوٹ آئیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے بھیجے ہوئے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹے ہوئے اپنے رشتہ وتعلق کی اُصل اور حقیقی بنیادوں پر بحالی اس کی لازمی اور بنیادی شرط ہے۔ کسی اَور ذریعہ سے اس ضرورت کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔ ہم جملہ اہل اسلام مل کر بھی اُسوہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ طرزِ معاشرت میں کسی معمولی رد وبدل کے

بھی مجاز نہیں ہیں۔ چہ جائیکہ سب کچھ ہی بدل کر رکھ دیں۔ بلکہ ویسے ہی جیسے اہل جاہلیت نے توحید کی ضد شرک کو اپنا لیا تھا ہم نے بھی مسلم اُمہ کی اسلامی ساخت کو پسِ پشت ڈال کر اس کی ضد قبائلیت اور برادری ازم کو اپنا لیا ہے۔ لہٰذا وقت اور حالات کے تقاضوں کا احساس کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُسوہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت قائم کی جانے والی اجتماعیت یا عمرانی وحدت کی بنیادی ساخت کی ایک جھلک سب کے سامنے نمایاں کر دی جائے۔ تاکہ لوگوں کی نگاہوں کے عین سامنے یہ پوری تصویر روشن و واضح رہے اور اگر ضرورت محسوس ہو تو ان کو اپنی اُصل اُساس کی بابت فیصلہ کرنے میں آسانی رہے۔ اس کے علاوہ عہدِ جاہلیت کی پروردہ قبائلیت، اس کی بنیادی قدروں اور شناخت و پہچان کے لازمی عناصر کو بھی سامنے لایا جانا اس لیے ضروری ہے کہ قارئین کرام کو موازنہ میں بھی آسانی رہے۔

اکیسویں صدی کی شروعات ہو چکی ہے۔ دنیا بدل رہی ہے۔ خلقِ خدا کسی ایسے کنارِ عافیت کی تلاش و جستجو میں ہے جو کسی نئے فریب سے دوچار نہ کر دے۔ ظلم و جور وحشت و بربریت، لوٹ مار اور قتل و غارت کے ہولناک مناظر دیکھنے اور تباہیوں کا سامنا کر چکنے کے بعد لوگوں کو خود اپنے لیے اور اپنی آئندہ نسلوں کیلئے اس دنیا کو ایک محفوظ اور پر امن گھر کی طرح مأمون بنانے کی اُمنگ اور تڑپ بیدار ہوئی ہے۔ یہ آرزو آنے والے وقتوں میں یقیناً اپنا جوبن دکھائے گی اور اپنا رنگ جمانے میں کامیاب ہوگی۔ اور بجائے اس کے کہ دنیا کیمونزم کی طرز کے کسی نئے جال میں پھنس جائے حقیقی امن و عافیت دینے کی اُصل استعداد اور صلاحیت کے حامل نظام کے حقیقی خدوخال سامنے لانے والے کام وقت کی اُہم ترین ضرورت بن گئی ہے۔ تاکہ لوگ اُصولِ مساواتِ انسانی اور عدلِ اجتماعی کے قیام کی خاطر ان رہنما اُصولوں سے کما حقہ فیض یاب ہو سکیں۔ اس ضمن میں خطبہ فتح مکہ ایک اُہم ترین دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد ازیں اُخیارِ اُمت حضرات صدیقؓ و فاروقؓ کے ادوار میں اسلام اور اس کے عملی سماجی، معاشرتی، معاشی و اخلاقی تجربات اور ان کے فوائد و ثمرات ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہیں۔ اور ان سے دنیا بخوبی آگاہ ہے۔ یہ اَور بات ہے کہ ان کا تسلسل زیادہ دنوں تک جاری و ساری نہ رہ پایا تھا اور جلد ہی یہ عالی شان عمارت زمیں بوس ہو کر رہ گئی تھی۔ اگر سرسری انداز میں اس کے اسباب و وجوہ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سلطنت کے غیر معمولی پھیلاؤ کے باعث مرکز کمزور پڑ گیا تھا۔ مرکز کی اس کمزوری کے باعث مساوات اور عدل اجتماعی کے بنیادی اُصول متاثر ہوئے۔ عدل اجتماعی کی نگرانی بھی باقی نہ رہی تو تسلسل میں رخنے در آئے۔ یہ اُصول اپنی حقیقی دھاک اور تحکم و بالا دستی کی تائید کے تحت سلامت نہ رہے تو مساوات انسانی کی واعظانہ تلقین بے سود و بے اُثر ثابت ہوئی ہے۔ تعاملاتِ عامہ ہوں یا خلقِ خدا کے باہمی تعلقات، آج عملی دنیا میں کہیں ان کا وجود نہیں ملتا۔ عدلِ اجتماعی اور مساواتِ انسانی کے دونوں بنیادی اُصولوں کے اضمحلال کے باعث موقع شناسی، مفاد پرستی، خود غرضی اور نفسا نفسی ایسے امراض ایک افراتفری کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ کیفیت قومی اہداف کو

دھندلا کر دیا کرتی ہے اور لوگوں کو بس اپنی اور اپنے پیاروں کی ہی فکر رہ جاتی ہے۔ پھر عام طور پر لوگ یہی چاہتے ہیں کہ قومی مفاد یا دیگر لوگوں کی فکر چھوڑ و، لوٹ مار کے اس ماحول کو غنیمت جانتے ہوئے جہاں تک ہاتھ چل سکے اپنا آپ سنبھالو اور ہو سکے تو اپنی بنیادیں مضبوط کر لو۔ تا کہ اپنی نسل سکھ چین سے جی سکے۔ چنانچہ ماضی کی تاریخ میں بھی یہی کچھ ہوا اور ہمیں دیکھنے کو ملا ہے۔ خود غرضی کو کھل کھیل نیکی کھلی آزادی میسر آ گئی تھی۔ سب کچھ یا جو چاہے کرو اور پکڑے بھی نہ جاؤ کا احساس بہت عام ہو گیا تھا۔ صورتحال یہ ہو جائے تو ابتری یقینی ہو جاتی ہے اور قومی وحدت و جمعیت کا شیرازہ بکھرنے میں دیر نہیں لگتی۔ عوام الناس کی عادت ہوتی ہے کہ مخلص قیادت کا مسلسل پہرا ہی ان کو ایک ریوڑ کی طرح سیدھے راستے پر قائم رکھ سکتا ہے۔ آنے والے وقتوں میں اس کمی کو ذرائع ابلاغ کی غلط حرکات کی تاک میں بیٹھی بے لاگ آنکھ پورا کر دے گی۔ اور پہرے کا نظام بحال ہونے سے لوگوں کو صحت و راستی پر اقدام کا حوصلہ اور اعتماد بھی میسر آ سکے گا۔ حالات و وقت کا رجحان بہتری ہی کی طرف ہے۔ لہٰذا مستقبل سے مایوس ہونے والی بھی کوئی بات نظر نہیں آتی۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل فتح ونصرت کیا ظہار کا موقع و مقام وہ ہے جب مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اور بیت اللہ شریف کی ولایت اور مکہ مکرمہ کی اُمارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں آ گئی تھی۔ ماہِ رمضان المبارک ۸ھ کو مکہ مکرمہ فتح ہوا ہے۔ اب تک اعلان نبوت کو قریب قریب اکیس برس بیت چکے تھے۔ تب تک خانہ کعبہ پر مشرکین ہی قابض رہے اور پورے جزیرے نما میں اس ناطے انہی کا راج قائم رہا اور انہی کے حکم کا سکہ چلتا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لگ بھگ پورے عہدِ رسالت کو محیط ایک اعصاب شکن جدوجہد کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعداء اور عہدِ جاہلیت کی پروردہ قبائلیت کے حامیوں کو شکستِ فاش کا سامنا ہوا اور ان سب کے سر جھک گئے تھے۔ آج وہ سب لوگ پوری طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی رحم وکرم پر تھے۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اس میں نہایت اختصار اور پوری جامعیت کے ساتھ جاہلی معاشرتی حیات کے تباہ کن عناصر کا ذکر فرماتے ہوئے اس کی جگہ لینے والی نئی اور وحی الٰہی کی بنیادوں پر استوار ملتِ اسلامیہ کی طرزِ معاشرت کی بنیادی ساخت کو متعین و واضح فرما دیا تھا۔ ایک فلاحی وتعمیری نوعیت کے عالمگیر معاشرہ کو ٹھوس بنیاد فراہم کرنے والے عوامل پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائلیت اور اسلامی ملت کے فرق و امتیاز کو بھی بطورِ خاص نشانز د اور اجاگر فرما دیا تھا۔ اہلِ فکر و دانش محسوس کریں گے کہ اس خطبے کا لفظ لفظ اپنے اندر معانی کے بحرِ ذخار کو سموئے ہوئے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ کے ذریعے اسلامی ملت اور قبائلی کلچر کے مابہ الامتیاز کی میزان بنی نوعِ انسان کے سپرد کر دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اہم ترین خطبہ کو معتبر سمجھے اور مانے جانے والے مآخذ میں اہلِ علم نے روایت بھی کیا ہے۔ یہاں ایسے ہی چند مآخذ کے مروی اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں۔ صاحب زاد المعاد ابن قیم الجوزیہ کا بیان ہے:

فَتَحَ الْبَابَ وَقُرَيْشٌ قَدْ مَلَأَتْ الْمَسْجِدَ صُفُوفًا يَنْتَظِرُونَ مَاذَا يَصْنَعُ فَأَخَذَ بِعِضَادَتَيْ الْبَابِ وَهُمْ تَحْتَهُ فَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ أَلَا كُلُّ مَأْثُرَةٍ أَوْ مَالٍ أَوْ دَمٍ فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ إِلَّا سِدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجِّ. يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْآبَاءِ النَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ "ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ (يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ) (حجرات:۱۳) ثُمَّ قَالَ: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ مَا تَرَوْنَ أَنِّي فَاعِلٌ بِكُمْ؟ قَالُوا: خَيْرًا أَخٌ كَرِيمٌ وَابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ قَالَ فَإِنِّي أَقُولُ لَكُمْ كَمَا قَالَ يُوسُفُ لِإِخْوَتِهِ (لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ) اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ. (۱)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ کھولا۔ سامنے صفوں میں بیٹھے قریش سے مسجد بھری ہوئی تھی۔ انہیں انتظار تھا کہ دیکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ کے دونوں بازوؤں پہ ہاتھ رکھ لیے اور وہ لوگ نیچے بیٹھے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے سوا سبھی معبود باطل ہیں، وہ یکتا ہے اُس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد ونصرت فرمائی اور اس نے تنہا احزاب وقبائلی گروہوں کی شوکت کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ خبردار! یہ بات کسی کے دھیان وحافظہ سے اترنے نہ پائے کہ ہر طرح کی خاندانی وموروثی عزت وبلند مقامی یا ہر طرح کی ناجائز مال خوری یا ہر طرح کی خون آشامی، (جس جس کا بھی جاہلیت کے اطوار کے تحت دعویٰ کیا جاتا ہے) تو وہ میرے ان دو پاؤں کے نیچے پامال وکالعدم قرار دیا جاتا ہے۔ سوائے کعبہ معظمہ کی نگہداری ودربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کے خاندانی وظائف ومناصب کے۔ اے قریش کے عمرانی گروہ! یہ امر طے ہوگیا ہے کہ بلاشبہ اللہ نے تم لوگوں سے جاہلیت کی نخوت وغرور اور اسی جاہلیت کی عطا ذات وبرادری اور آباء واجداد کی بنیاد پر اپنی بڑائی جتانیکی قدیمی روایت کو دور کر دیا ہے۔ سب لوگ آدم علیہ السلام سے ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوری آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ. (حجرات:۱۳)

یعنی: اے لوگو! یقیناً ہم نے تم لوگوں کو ایک مرد ایک ہی عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تم لوگوں کے عمرانی دھڑے اور قبیلے بنادیے ہیں تاکہ آپس میں ایک دوسرے کی پہچان کرسکو، بلاشک وشبہ تم میں عزت وتکریم کا زیادہ حقدار وہ ہے جو معصیت سے احتیاط وپرہیز کا زیادہ جذبہ رکھنے والا ہے۔ پھر فرمایا: اے قریش کے عمرانی گروہ! تم لوگ کیا سمجھتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ سب نے جواب دیا: فقط بھلائی۔ ایک کریم النفس بھائی ہیں آپ

صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کریم النفس بھائی کے فرزند ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو میں بھی تم لوگوں سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا:

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ. (یوسف:۹۲)

یعنی: آج تمہارے اوپر سے تمام الزامات دور کر دیئے گئے ہیں "تو جاؤ تم سے کوئی مؤاخذہ نہیں سب آزاد ہو۔

تاریخ کی معروف کتاب طبری میں ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ قَائِمًا حِيْنَ وَقَفَ عَلٰى بَابِ الْكَعْبَةِ ثُمَّ قَالَ لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ أَلَّا كُلُّ مَأْثَرَةٍ وَّ دَمٍ اَوْ مَالٍ يُدْعٰى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَىَّ هَاتَيْنِ إِلَّا سَدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجِّ. يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ إِنَّ اللهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْأَبَاءِ اَلنَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ. ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يٰأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ. الآية. يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ وَيَا أَهْلَ مَكَّةَ مَا تَرَوْنَ أَنِّيْ فَاعِلٌ بِكُمْ؟ قَالُوْا: خَيْرًا، أَخٌ كَرِيْمٌ وَّابْنُ أَخٍ كَرِيْمٍ. ثُمَّ قَالَ: اِذْهَبُوْا. فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ. (۲)

ترجمہ: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ معظمہ کے دروازہ پر رک گئے اور کھڑے ہو گئے پھر فرمایا: اللہ کے سوا سبھی معبود باطل ہیں، وہ یکتا ہے اُس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد و نصرت فرمائی اور اس نے تنہا احزاب وقبائلی گروہوں کی شوکت کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ خبردار! یہ بات کسی کے دھیان و حافظہ سے اترنے نہ پائے کہ ہر طرح کی خاندانی وموروثی عزت وبلند مقامی یا ہر طرح کی خون آشامی یا ہر طرح کی ناجائز مال خوری (جس جس کا بھی جاہلیت کے اطوار کے تحت دعویٰ کیا جاتا ہے) تو وہ میرے ان دو پاؤں کے نیچے پامال وکالعدم قرار دیا جاتا ہے۔ سوائے کعبہ معظمہ کی نگہداری و دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کے خاندانی وظائف ومناصب کے۔ اے قریش کے عمرانی گروہ! یہ امر طے ہو گیا ہے کہ بلاشبہ اللہ نے تم لوگوں سے جاہلیت کی نخوت وغرور اور اسی جاہلیت کی عطا ذات و برادری اور آباء واجداد کی بنیاد پر اپنی بڑائی جتانیکی قدیمی روایت کو دور کر دیا ہے۔ سب لوگ آدم علیہ السلام سے ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ. الْآيَةَ. (حجرات:۱۳)

یعنی: اے لوگو! یقیناً ہم نے تم لوگوں کو ایک مرد ایک ہی عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تم لوگوں کے عمرانی دھڑے اور قبیلے بنا دیئے ہیں تاکہ آپس میں ایک دوسرے کی پہچان کر سکو، بلاشک وشبہ تم میں عزت وتکریم کا زیادہ حقدار وہ ہے

جو معصیت سے احتیاط و پرہیز کا زیادہ جذبہ رکھنے والا ہے۔ پھر فرمایا: اے قریش کے عمرانی گروہ! تم لوگ کیا سمجھتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ سب نے جواب دیا: فقط بھلائی۔ ایک کریم النفس بھائی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کریم النفس بھائی کے فرزند ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو جاؤ تم سے کوئی مؤاخذہ نہیں سب آزاد ہو۔

سیرت طیبہ کے اہم ترین مآخذ میں سب سے اہم تالیف سیرت ابن ہشام کی روایت حسب ذیل الفاظ میں ہے:

قَالَ ابنُ إسحَاق: فَحَدّثَنِي بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ قَامَ عَلَى بَابِ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ لَا إلَهَ إلّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ أَلَا كُلّ مَأْثُرَةٍ أَوْ دَمٍ أَوْ مَالٍ يُدّعَى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيّ هَاتَيْنِ إلّا سَدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجّ ... يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، إنّ اللّٰهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيّةِ وَتَعَظّمَهَا بِالْآبَاءِ النّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ ثُمّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ (يَا أَيّهَا النّاسُ إنّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إنّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ) الْآيَةَ كُلّهَا. ثُمّ قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ مَا تُرَوْنَ أَنّي فَاعِلٌ فِيكُمْ؟ قَالُوا: خَيْرًا، أَخٌ كَرِيمٌ وَابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ. قَالَ اذْهَبُوا فَأَنْتُمْ الطّلَقَاءُ. (۳)

ترجمہ: ابن اسحاق کہتے ہیں کچھ اہل علم نے مجھے بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے۔ پھر فرمایا: اللہ کے سوا سبھی معبود باطل ہیں، وہ یکتا ہے اُس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد و نصرت فرمائی اور اس نے تنہا احزاب وقبائلی گروہوں کی شوکت کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ خبردار! یہ بات کسی کے دھیان وحافظہ سے اترنے نہ پائے کہ ہر طرح کی خاندانی وموروثی عزت وبلند مقامی یا ہر طرح کی خون آشامی یا ہر طرح کی ناجائز مال خوری، جس جس کا بھی جاہلیت کے اطوار کے تحت دعویٰ کیا جاتا ہے، تو وہ میرے ان دو پاؤں کے نیچے پامال وکالعدم قرار دیا جاتا ہے۔ سوائے کعبہ معظمہ کی نگہداری ودربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کے خاندانی وظائف ومناصب کے۔ اے قریش کے عمرانی گروہ! یہ امر طے ہوگیا ہے کہ بلاشبہ اللہ نے تم لوگوں سے جاہلیت کی نخوت وغرور اور اسی جاہلیت کی عطا ذات و برادری اور آباء واجداد کی بنیاد پر اپنی بڑائی جتانے کو دور کر دیا ہے۔ سب لوگ آدم علیہ السلام سے ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوری آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:

يَا أَيّهَا النّاسُ إنّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إنّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ. الْآيَة....

یعنی: اے لوگو! یقیناً ہم نے تم لوگوں کو ایک مرد ایک ہی عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تم لوگوں کے عمرانی دھڑے اور

قبیلے بنا دیئے ہیں تا کہ آپس میں ایک دوسرے کی پہچان کر سکو، بلاشک وشبہ تم میں عزت وتکریم کا زیادہ حقدار وہ ہے جو معصیت سے احتیاط و پرہیز کا زیادہ جذبہ رکھنے والا ہے۔ پھر فرمایا: اے قریش کے عمرانی گروہ! تم لوگ کیا سمجھتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ سب نے جواب دیا: فقط بھلائی۔ ایک کریم النفس بھائی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور کریم النفس بھائی کے فرزند ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو جاؤ تم سے کوئی مؤاخذہ نہیں سب آزاد ہو۔

بہت معمولی نوعیت کے تغیرات اپنی جگہ مگر اہلِ علم خطبہ فتح مکہ کے اصل متن پر متفق الرائے نظر آتے ہیں۔ وظائف بیت اللہ کے ذکر کے بعد اور قریش کو خطاب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''قتل خطا شبہ بالعمد'' کی دیت کا تعین فرمایا ہے۔ موضوعِ زیرِ بحث سے فی الوقت اس کا چونکہ براہِ راست کوئی جوڑ نہیں اس لیے اس کو اس موقع سے حذف کر دیا گیا ہے۔ البتہ حذف کی علامت کے طور پر اس کی جگہ نقطے لگا دیئے گئے ہیں۔

خطبہ فتح مکہ کو ہمیں اُسوہ عمرانی کی اُساس اور اس کی تعبیر کے طور پر دیکھنا اور سمجھنا چاہیے۔ اس کے متن پر اہلِ علم کے اس اتفاق کی بنیاد پر پورے وثوق اور شرحِ صدر کے ساتھ یہ مؤقف اختیار کیا جا سکتا ہے کہ یہ خطبہ دراُصل رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ عمرانی کی اُساس کی نشاندہی کرتا ہے اور اس کی جامع نوعیت کی تعبیر وتشریح بھی پیش کرتا ہے۔ یہ تعبیر خود زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی صادر ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ عمرانی کی الہامی بنیاد اور حقیقی اُساس قرآن حکیم کی سورہ حجرات کی آیت ۱۳ ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کی دلیل کے طور پر اس خطبہ میں ذکر فرمایا ہے اور متذکرہ بالا تینوں اقتباسات میں یہ آیہ مبارکہ آج بھی موجود ومحفوظ ہے۔ اس کا صاف مطلب اس کے سوا اُور کیا ہو سکتا ہے کہ خود نگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اس آیہ کریمہ کا حقیقی مصداق اور معنی ومفہوم وہی ہے جو خطبہ کے متن میں وارد ہوا ہے۔ اس طرح اس امر میں کوئی ابہام یا کسی قسم کا شک وشبہ نہیں رہ جاتا کہ ہمارے آج کے بلکہ صدیوں پرانے معاملات اس نہج سے بہت دور ہٹے ہوئے ہیں جس پر اُسوہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت ان کو لایا گیا تھا ہونا چاہئے تھا۔

پدرم سلطان بود کی بنیاد پر فخر وغرور کا قدیمی اور جاہلانہ دستور فتح مکہ کے روز دفن کر دیا گیا تھا۔ اُسوہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات وبرادری اور نسب وخاندان کی بنیاد پر دیگر ابنائے جنس پر تفوق وبرتری کا دعویٰ رکھنے کی جاہلانہ رسم ہی مٹا دی تھی۔ ہر طرح کے خون کے ذیل میں ہر ناجائز خون داخل وشامل ہے۔ انتقام کی جاہلانہ رسم نے عربوں کو بے حال کر رکھا تھا۔ اب یہ ذمہ داری ریاست کی تھی کہ لوگوں کی عزتوں اور ان کے جان ومال کے تحفظ کو یقینی بنائے۔ اُسوہ رسولِ کریم نے یہ ضابطہ جاری فرما کر دراصل قانون کو ہاتھ میں لینے اور خود فیصلے کرنے کا جاہلانہ دستور بھی معطل وکالعدم فرما دیا تھا۔ اسی طرح جاہلانہ دستور کے تحت ہر طرح کے اموال کی بھی بیخ کنی فرما دی گئی۔ اس میں سود خوری کے ساتھ ساتھ اموالِ

دیت میں کمی بیشی اور بااثر لوگوں کا کمزوروں سے ناجائز طریق پر حاصل کردہ مال سب داخل تھے۔ کسبِ حلال کے طور طریقے شریعتِ اسلامی میں، جو دراصل جاہلی شریعت کی جگہ لے رہی تھی، واضح فرما دیئے گئے ہیں۔ ان کو چھوڑنے اور جاہلانہ اطوار کو اپنانے کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی گئی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی خطبہ فتح مکہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عرب اور تمام دنیا میں نسل اور قوم و خاندان کے امتیاز کی بناء پر ہر قوم میں فرقِ مراتب قائم کیے گئے تھے۔ جس طرح ہندوؤں نے چار ذاتیں قائم کیں اور شودر کو وہ درجہ دیا جو جانوروں کا درجہ ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بندش کردی کہ وہ کبھی اپنے رتبہ سے ایک ذرہ آگے نہ بڑھنے پائے۔ اسلام کا سب سے بڑا احسان، جو اس نے تمام دنیا پر کیا، مساواتِ عام قائم کرنا تھا۔ یعنی عرب و عجم، شریف و رذیل، شاہ و گدا سب برابر ہیں۔ ہر شخص ترقی کر کے ہر انتہائی درجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی آیت (الحجرات: ۱۳) پڑھی اور پھر توضیح فرمائی کہ "تم سب اولادِ آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے" (۴)

بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ اُسوہ رسول کریم کے تحت جس اجتماعیت و معاشرت اور عمرانی وحدت کی تشکیل ہو رہی ہے وہ اس قدر عظیم ہے کہ حق و انصاف کے جملے تقاضے پورے کرنے کے لائق بنا دی گئی ہے۔ اور انسانی عزت و تکریم کے لیے بنیادی اقدار فراہم کر کے اس کو عالمگیر بنا دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کی محافظت کے لیے نگاہِ مسلسل اور فکرِ مسلسل ناگزیر شے ہے۔ جہدِ مسلسل اور سعی پیہم کے بغیر تعمیر و اصلاح پر مبنی تبدیلی کے رجحانات محفوظ طریقے پر پروان نہیں چڑھ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے اگلے روز پھر لوگوں کی توجہ اس جانب مبذول کروائی تھی۔ ابن سعد کا بیان ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ أَذْهِبُوْا عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةَ وَفَخْرَهَا بِاٰبَآئِهَا اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْ آدَمَ وَ آدَمُ مِنْ تُرَابٍ. (۵)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے اگلے روز فرمایا: تم سب لوگ جاہلیت کی مصنوعی نخوت اور اس دور کے اپنے نسب و آباء کی بنیاد پر فخر و غرور کو خود سے دور کر دو۔ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔

یہ ہے اُسوہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت قائم ہونے والی ملت کی عمرانی و اجتماعی ساخت۔ اس سے اپنا ناطہ توڑ لینے کے بعد ہم لوگ کس برتے پر ان فیوض و برکات کی توقع کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ مختص ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ سابق اہلِ کتاب کی طرح ہم بھی اپنی حقیقی بنیاد و اساس سے دور بہت دور نکل آئے ہیں؟ حتیٰ کہ ہماری پیشوائیت نے بھی نہ صرف یہ کہ اس انہدام و انحراف کو پورے طور پر گوارا کر لیا ہے بلکہ جاہلیت کی اقدار کے اتباع

کے معاملے میں عام لوگوں سے کئی معنوں میں کئی قدم آگے ہی نظر آتی ہے۔فی زمانہ کسی کے دل میں جھانکنے کی حاجت ہی نہیں رہی۔روایتی لباس وحلیہ دیکھ کر ہی بہت کچھ اندازہ ہوجاتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک سابق انبیائے کرام اور رسولانِ عظام میں سے جن جن کی امتیں موجود ہیں ان کے ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا جواز اسی اصول پر استوار ہے کہ ان کے اندر بے تحاشا بگاڑ در آیا تھا اور وہ اپنے دین سے دور بہت دور چلے گئے تھے۔دین سے ان کی یہی دوری ومہجوری ''جاہلیت'' کہلائی۔اس ضمن میں قرآن حکیم،صحفِ سماوی میں لفظی ومعنوی تبدیلیوں اور تحریفات پر بھی زور دیتا ہے۔اور ان امتوں کے نظریہ وعمل کی بنیادی ساخت میں بنیادی نوعیت کی نامانوس تبدیلیوں کی قرآنِ حکیم جگہ جگہ نشاندہی کرتا نظر آتا ہے۔اگر سب کچھ اپنے حالوں پر رہا ہوتا تو شائد کبھی کسی نئی بعثت کی حاجت ہی نہ رہتی۔اس معاملے میں سابقہ امتوں سے ملتِ اسلامیہ اس لحاظ سے ممتاز والگ ہے کہ ان امتوں کے آسمانی صحیفے غیر محفوظ رہے ہیں۔اور تبدیلیوں وتحریفات اور تصرفات وتغیرات نے جگہ بنالی۔جبکہ ملتِ اسلامیہ کے صحیفے قرآن حکیم کی حفاظت کی ضمانت اللہ رب ذوالجلال نے دی ہے اور حفاظت کے اس عمل کو اپنے پاس اور اپنے ہی ذمہ رکھا ہے(الحجر: ۱۴)۔اب کوئی چاہے بھی تو اس میں کوئی مستقل یا دیرپا تبدیلی ممکن نہیں رہی ہے۔اس صحیفہ کی حفاظت کی ضمانت دراصل قیامت تک کے لیے اس نظریہ اور فکر وفلسفہ کی حفاظتِ حیات کی ضمانت ہے۔اس امر سے ختم نبوت کے نظریہ کی بھی از خود توثیق ہوجاتی ہے اور اس آخری صحیفے کے محفوظ وموجود ہوتے ہوئے کسی نئی بعثت یا نزولِ کتاب کی حاجت وضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔اس کی حفاظت وموجودگی کے باعث اسی کی طرف رجوع اور اُسوہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستگی سے جملہ مسائل کا حل نکل آئے گا۔اصل حالت میں اس الہامی صحیفہ کی موجودگی کے باعث کسی بگاڑ یا گمراہی کو کبھی دوام نہیں مل سکتا۔جب تک کہ نیتیں اور ارادے ٹھیک رہیں گے تب تک ہمارے سدھرنے اور سنورنے کے اور راہِ ہدایت پر واپس آنے کے سبھی مواقع اور امکانات موجود رہیں گے۔بنیاد جب تک سلامت رہے تو قوموں کو اس معنی میں کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچتا کہ حقیقی اور بنیادی تعلیمات پوری طرح سے محفوظ اور ہر اعتبار سے غیر متبدل ہوں تو جب چاہیں اپنے نظریہ وعمل کی صحت وراستی کو جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے۔یہ اللہ کی حجت ہے۔اور اللہ کی حجت تمام ہوچکی ہے۔بلکہ رہتی دنیا تک اب یہ ہمارے سروں پہ قائم ودائم ہے۔چنانچہ قرآن حکیم سے دوری ومہجوری پر قائم رہنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا۔ملتِ اسلامیہ کی اپنی اس اساس،قرآنِ حکیم،سے دوری ومہجوری کو بھی خود قرآن حکیم نے ہی بہت واضح لفظوں میں بیان کردیا ہے۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا، يَا وَيْلَتَا لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا، لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا، وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا.

(فرقان:۲۷۔۳۰)

ترجمہ: پچھتاوے کے اس روز ظالم غم وغصہ سے اپنے دونوں ہاتھوں کو چپارہا ہوگا، وہ کہے گا: اے کاش میں نے رسول اللہ کی معیت وپیروی میں کوئی راہِ حیات بنائی ہوتی، ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں کو اپنا رفیق وہمدم نہ بنایا ہوتا، یقیناً اس نے ہی مجھے بہکایا و گمراہ کیا ہے بعد ازیں کہ میرے پاس قرآنی نصیحت آ پہنچی تھی، اور شیطان تو ہے ہی بہت پکا دغاباز، اس حال میں رسول اللہ کہیں گے: اے میرے پروردگار بلاشبہ میری قوم نے اس قرآن کو متروک ومہجور بنا کر رکھ دیا تھا۔

انسان کی دیرینہ عادت وروایت ہے کہ اپنی ناکامیوں کا ملبہ عموماً اپنے کسی قریبی پر ڈال دیا کرتا ہے۔ پچھتاوے کے موقع پر اکثر یہی ہوتا ہے کہ آدمی اِدھر اُدھر ہی دیکھتا ہے کہ کس کے سر اپنی ناکامی کا الزام رکھوں۔ ایسا ہوتا بھی ہے مگر بہت مرتبہ یہ کام محض عادتاً ہی سرانجام پاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی لحاظ رہے کہ آیاتِ مندرجہ بالا میں اگرچہ کلمہ ماضی کا "وَقَالَ الرَّسُولُ" استعمال ہوا ہے مگر اس سے مراد مستقبل ہے۔ عربوں کا دستور تھا اور سارے عالم میں اس کا رواج موجود ہے کہ جب کسی امر کا وقوع متحقق ویقینی اور ہر شک وشبہ سے بالاتر ہو جاتا ہے تو اس بات کو ماضی کے کلمہ سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں قرآن حکیم میں بھی موجود ہیں۔ انہی میں سے ایک مقام یہ بھی ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ حق میں یہ شکایت پیش فرمائیں گے کہ "اے میرے پروردگار بلاشبہ میری قوم نے اس قرآن کو متروک ومہجور بنا کر رکھ دیا تھا"۔ مزید برآں مسلمانوں کے زوال وپستی میں کس کو شک ہے؟ فی زمانہ قرآن کے متروک ومہجور ہونے میں کس کو شبہ ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی اساس قرآن مجید اور اُسوہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور اور بہت دور نکل آئے ہیں۔ امم سابقہ کی طرح ہمارا پورا عملی اور موجودہ نظامِ حیات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات وتعلیمات سے کوسوں دور ہے۔ اور اگر یہی حقیقت ہے تو پھر جب تک ہم اپنی اساس سے اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ از سرِ نو بحال نہیں کر لیتے تب تک اسلام کی خدمت کے نام پر ہماری جملہ سرگرمیاں جاہلیتِ جدیدہ کی جڑیں مزید گہری کرنے اور اس کی مضبوطی واستحکام کی کوشش سے ہٹ کر کچھ بھی نہیں ہیں۔ عمرانی واجتماعی جہت سے اُسوہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس طور متشکل اور مجسم ہو کر ہمارے سامنے آیا تھا وہ نقش ہماری حیاتِ اجتماعی کی روح اور جان تھا۔ اس کے نکل جانے سے سب کچھ فنا ہو گیا ہے۔ فروعات وجزئیات کے اندر آنے والے بگاڑ سے قوموں کو بڑے صدمات نہیں پہنچتے۔ مگر اپنی اساس سے ہی جدا ہو کر جینے کی سعی ہو تو فقط زبانی کلامی دعوے کسی کام نہیں آیا کرتے۔

خطبہ فتح مکہ کے باب میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ابنِ اسحاق کو یہ اطلاع بعض اہلِ علم نے دی ہے۔ جیسا کہ خود کہتے ہیں: "فَحَدَّثَنِي بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ" اور بہت سے بڑے مصنفین تو ان نہایت درجہ اہم خطبات کو خاطر میں ہی نہیں لائے ہیں۔ اب ذخیرہ کتب پر نگاہ ڈالیے تو رفع یدین کی طرح کے فروعی نوعیت کے اختلافی مسائل ومعاملات کی کھوج کرید پر بے پناہ توانائیاں صرف ہوتی نظر آتی ہیں۔ سندوں اور متون کی صحت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ معرکۃ الآراء

بحثیں یادگار ہیں۔مگر خطبہ فتح مکہ ہو یا خطبہ حجۃ الوداع، جو اس ملتِ اسلامی کی بنیادی ساخت کی درست وضاحت کے لیے از حد ناگزیر ہیں، محض ارتقی سی کے زمرے کی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ملت کی حقیقی بنیادوں سے اس بے اعتنائی و بے رغبتی کے باعث ہر نا مرغوب کا مرغوب و گوارا ہو جانا بعید از قیاس نہیں رہ جاتا۔اس طرز و ادا سے اولین عہدِ تالیف وتصنیف کے ذہنی رجحانات اور طرزِ فکر وسخن کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ذہنی تشویش و الجھن، تذبذب واضطراب، بنیادی حقائق سے نظریں چرانا، کچھ کہنے کی بے پناہ خواہش مگر کہہ نہ پانا اور گومگو کی کیفیت میں مبتلا رہنا عام ہے۔صحاح ستہ میں چوتھے درجے کی کتاب سنن ابی داؤد کے مؤلف اور معرف محدث ابو داؤد سجستانی کے اس خطبہ کے تعلق سے بیانات قابل غور ہیں۔فرماتے ہیں:

حَدَّثنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَمُسَدَّدٌ الْمَعْنَى قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ خَالِدٍ عَنْ الْقَاسِمِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ أَوْسٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُسَدَّدٌ خَطَبَ يَوْمَ الْفَتْحِ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ إِلَى هَاهُنَا حَفِظْتُهُ عَنْ مُسَدَّدٍ ثُمَّ اتَّفَقَا أَلَا إِنَّ كُلَّ مَأْثُرَةٍ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تُذْكَرُ وَتُدْعَى مِنْ دَمٍ أَوْ مَالٍ تَحْتَ قَدَمَيَّ إِلَّا مَا كَانَ مِنْ سِقَايَةِ الْحَاجِّ وَسِدَانَةِ الْبَيْتِ. وَحَدِيثُ مُسَدَّدٍ أَتَمُّ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ خَالِدٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ مَعْنَاهُ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ الْقَاسِمِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ قَالَ خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ أَوْ فَتْحِ مَكَّةَ عَلَى دَرَجَةِ الْبَيْتِ أَوْ الْكَعْبَةِ قَالَ أَبُو دَاوُد كَذَا رَوَاهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ أَيْضًا عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ الْقَاسِمِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ أَيُّوبُ السَّخْتِيَانِيُّ عَنْ الْقَاسِمِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو مِثْلَ حَدِيثِ خَالِدٍ وَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ يَعْقُوبَ السَّدُوسِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.(٦)

ترجمہ: حدیث کا معنی بیان کیا ہے،ہم سے سلیمان بن حرب اور مسدد نے، دونوں کا کہنا تھا کہ ہم سے حدیث بیان کی ہے حماد نے خالد سے روایت کرتے ہوئے انہوں نے قاسم بن ربیعہ سے انہوں نے عقبہ بن اوس سے انہوں نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم نے، مسدد کا بیان ہے، فتح مکہ کے روز خطبہ دیا تو تین بار تکبیر کہی پھر فرمایا: اللہ کے سوا سبھی معبود باطل ہیں، وہ یکتا ہے۔اس نے اپنا وعدہ سچا

کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد و نصرت فرمائی اور اس نے تنہا احزاب وقبائلی گروہوں کی شوکت کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ راوی کہتے ہیں: مسدد سے میں نے یہیں تک یہ حدیث محفوظ کی تھی۔ پھر دونوں راوی متفقہ طور پر روایت کرتے ہیں کہ: خبردار! یہ بات کسی کے دھیان و حافظہ سے اتر نے نہ پائے کہ ہر طرح کی خاندانی وموروثی عزت و بلند مقامی یا ہر طرح کی خون آشامی یا ہر طرح کی ناجائز مال خوری (جس جس کا بھی جاہلیت کے اطوار کے تحت دعویٰ کیا جاتا ہے) تو وہ میرے ان دو پاؤں کے نیچے پامال وکالعدم قرار دیا جاتا ہے۔ سوائے کعبہ معظمہ کی نگہداری و دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کے خاندانی وظائف ومناصب کے"۔ ابوداؤد کہتے ہیں: مسدد کی حدیث زیادہ جامع ہے۔ ہم سے حدیث بیان کی ہے موسیٰ بن اسماعیل نے، وہ کہتے ہیں ہم سے حدیث بیان کی ہے وہیب نے خالد سے روایت کرتے ہوئے، اس سند سے اسی کے ہم معنی حدیث۔ ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح والے دن یا یوں کہا کہ فتح مکہ والے روز بیت اللہ یا ایسے کہا کہ کعبہ معظمہ کی دہلیز پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ ابوداؤد کہتے ہیں: ابن عیینہ نے بھی ایسی ہی روایت بیان کی ہے علی بن زید سے انہوں نے قاسم بن ربیعہ سے، انہوں نے ابن عمر سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے۔ اسی حدیث کو ایوب سختیانی نے بھی روایت کیا ہے قاسم بن ربیعہ سے، انہوں نے عبداللہ بن عمرو سے خالد والی حدیث کے جیسی۔ اور اس حدیث کو حماد بن سلمہ نے علی بن زید سے انہوں نے یعقوب السدوسی سے انہوں نے عبداللہ بن عمرو سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

ایک طرف خلافتِ راشدہ اضمحلال کا شکار ہوتی ہے اور رعایا پر تحکم و بالادستی سے محروم ہو کر رہ جاتی ہے۔ عام لوگوں کی جان و مال، عزت و آبرو کے تحفظ میں ہی نہیں بلکہ نظامِ خلافت خود اپنا دفاع وتحفظ کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ خلیفہ وقت کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لی جاتی ہے۔ خلیفہ وقت کی جان کیتحفظ کے معاملے میں بھی بھری دنیا کے سامنے ایسی ناکامی کا سامنا ہوا کہ چھپائے نہ چھپے۔ اور پھر نظامِ خلافت جلد ہی زوال آشنا ہو کر نسیاً منسیاً ہو جاتا ہے۔ کیا افراتفری اور نفسا نفسی کا عالم رہا ہوگا وہ؟ عدمِ تحفظ کے شکار لوگوں کو فی الفور اپنی اور اپنے اہل وعیال کی نیز عزتوں اور اموال کی بقاء کے ساتھ ایک باوقار زندگی جینے کی ضمانت درکار رہے۔ یہ ضمانت اُسوہ رسولِ کریم کے تحت قائم کی جانے والی اس معاشرتی وحدت کے ہاں تیزی سے مفقود ہوتی چلی جاتی ہے۔ دوسری طرف قبائلی جتھا بندی میں یہ ضمانت آسانی سے اور من چاہی حد تک ارزاں و دستیاب ہے۔ ایسے میں بنوامیہ کا ایک طویل اور قبائلی اقتدار سے لب ریز ومملوء اقتدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت و جانشینی کی جگہ لے بیٹھتا ہے۔ معروف مفکر اور معتدل مزاج تاریخ نویس سید امیر علی لکھتے ہیں:

''حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت معاویہ اسلام کے حقیقی حکمران بن گئے۔ بنوامیہ کی تخت نشینی سے نہ صرف خاندانی تبدیلی ہوئی، بلکہ اس کے ذریعے ایک اُصول کی پسپائی ہوئی۔ اور چند ایسے عناصر پیدا ہو گئے جنہوں نے آگے چل کر .. سلطنت کی تقدیر اور قوم کی ترقی پر بہت زیادہ اُثر کیا'' (۷)

مسعودی نیخلافت سے دستبرداری کے بعد زہر دیے جانے کو آپ کی وفات کا باعث لکھا ہے (۸)۔ آپؓ

کے اس معاملے میں مؤقف پر بھی اس مکالمہ سے روشنی پڑتی ہے جس کا مسعودی نے متصلاً بعد تذکرہ کیا ہے۔(۹)

اب کیسے فرض کرلیا جائے کہ اس ہمہ گیر عدمِ تحفظ کے احساس کے عوام الناس پر کسی طرح کے ذہنی اثرات مرتب نہیں ہوئے ہوں گے؟ اور کس بنیاد پر کہا جائے کہ لوگوں کی عملی زندگیاں ان سانحات سے متاثر نہیں ہوئی ہوں گی؟ کہا جا سکتا ہے کہ لوگوں کو دھکیلا اور مجبور کیا گیا ہے کہ وہ قبائلیت کو پھر سے اپنا کر اپنے تحفظ کا اہتمام خود کریں۔ ایک عددی اعتبار سے بہت بڑی قوم کی قبائلیت یعنی چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں تقسیم کی مثال ایسی ہے کہ جیسے گوشت پوست سے مرکب کسی جسم کے پورے گوشت کے اندر بے شمار چھوٹی بڑی گھٹلیاں بن جائیں۔ یہاں دو باتیں ملحوظ رکھنے کی ہیں۔ ایک یہ کہ ان گھٹلیوں کا لازماً اپنا ایک باقاعدہ داخلی نظام قائم ہو جاتا ہے جس کے بل بوتے پر یہ زندہ رہتی اور پھلتی پھولتی ہیں۔ ان کے داخلی نظام کی قوت گرد و پیش سے سارا رس اور توانائی چوس لیتی ہے۔ اس طرح یہ قوت جسم کے باقی حصوں کی توانائی پر ڈاکہ ڈالتی ہے۔ اور ان کے حصے کی توانائیاں بھی اپنے پاس روک لینا یا ان توانائیوں کی دیگر حصوں کو فراہمی و ترسیل کی راہ میں رکاوٹ بن جانا ایک ظلمِ صریح کے مترادف عمل بھی ہے اور باقی حصوں کے لیے مہلک شے بھی ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہر گھٹلی فی نفسہٖ ایک بیماری ہے اور دورانِ خون اور جسم کے اگلے حصوں کو توانائی کے ارسال و ترسیل کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس طرح سے جملہ ماوراء حصے اپنے مرکز سے تقریباً غیر مربوط اور مفید رسائی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح پورے جسم کی صحت، یکسانی اور وحدت سلامت نہیں رہتی۔ دیکھ بھال اور توانائیوں کی تقسیم سمیت جملہ صحت مند سرگرمیاں معطل ہو جاتی ہیں۔ ملکوں ملکوں پھیلی ایک بڑی قوم کے براعظموں کو محیط وجود میں بھی قبائلیت انہی گھٹلیوں کی مانند ہے۔ یہی نہیں مذہبی گروہ بندی ہو یا لسانی و علاقائی، سب ایسے مضر عناصر ہیں کہ اتنی بڑی قوم کے وجود کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیتے اور اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے کے قابل نہیں چھوڑتے۔ ایک عام جسم میں ان کے باعث دورانِ خون اور اس کے مقاصد کی راہ کٹتی ہے تو ملتوں اور قوموں کے وجود میں بننے والی ان گھٹلیوں کے باعث مساوات انسانی اور سماجی و معاشی نیز معاشرتی انصاف کی سب ابنائے آدم کو مساوی اور آزادانہ فراہمی و ترسیل ممکن نہیں رہ جاتی۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ گھٹلیاں بہر طور ایک موذی مرض ہی شمار ہوتی ہیں۔ ایک طرف ان کا عملی کردار ہے۔ تو دوسری طرف انسان ہے جسے اللہ نے شرف سے نوازا ہے۔ اور تمام مخلوقات پر اس کو شرف و بزرگی عطا کی ہے۔ کسی طرح سے اس کے شایانِ شان نظر نہیں آتا کہ بلند مقامی چھوڑ کر ایک موذی مرض کا کردار اپنا لے اور اس کو نبھانے اور ادا کرنے لگ جائے۔ اور اس پر شاداں و نازاں بھی نظر آئے۔

یہی وہ حالات تھے جب دین و سیاست نے اپنی جدا جدا راہیں اختیار کی ہیں۔ پھر بھی ممکن ہے کہ کوئی اس تبدیلی کو زیادہ اہمیت کے لائق نہ سمجھے۔ تو گزارش ہے کہ بنیاد کی تبدیلی سے وہ سب کچھ تبدیل ہونا شروع ہو گیا جسے ہم اُسوہ رسولِ

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عطیہ کہہ سکتے ہیں۔نسلی و خاندانی یا ذات پات کے ہر طرح کے امتیازات کے خاتمہ سے ہی سماجی ناہمواریوں کا خاتمہ ممکن تھا۔ان امتیازات کی بحالی نے ان ناہمواریوں کو پھر سے بحال کر دیا۔ان سماجی ناہمواریوں کے اس خاتمہ ہی کی بنیاد پر اولادِ آدم کے مابین جو مساوات قائم ہوئی تھی یہ دراُصل عدلِ اجتماعی کے قیام کی ناگزیر شرط تھی۔اسی کی بدولت ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو وحدت و جمعیت کے ایک دائرہ کے اندر لا کر ایک قوم کی تشکیل ہوئی تھی۔ان کا ایک مرکز معرضِ وجود میں آیا تھا۔ریاست کو اُصولِ مساوات کی بنیاد پر اپنے تمام باشندوں پر تحکم و بالادستی کا حق حاصل ہوا تھا اور اقتدار ملا تھا۔اور ان تمام عوامل نے مل کر عدلِ اجتماعی کے قیام کی عملاً راہ ہموار کر دی تھی۔چنانچہ جب عدلِ اجتماعی کی بنیادیں ہی نہ رہیں تو یہ بھی نہ رہا۔رہا معاملہ ریاستی بالادستی اور تحکم و اقتدار کا تو اس کا بٹوارا ہو کر رہ گیا۔ایک طرف حکمران طبقہ اپنی عسکری قوت کے بل بوتے پر اپنی منوانے لگا۔دوسری طرف بڑے اور بااثر قبائل نے بھی اپنی غیر علانیہ حکومتیں قائم کر لیں۔یہاں ایک خاص طرح کی تبدیلی رونما ہو رہی ہے جس پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔اُصولِ مساوات اور عدلِ اجتماعی کی بالادستی کے باعث ریاست کے تمام باشندے مساوی طور پر اپنے جملہ اُمور و معاملات کی انجام دہی اپنے تحفظ اور دفعِ ضرر و فساد ایسے بنیادی معاملات میں ریاست اور اس کے مقرر کردہ ذمہ داروں کی طرف ہی دیکھنے اور رجوع کرنے کے پابند تھے۔یہی نہیں وہ اس بات پر مجبور بھی ہو گئے تھے۔یہ چیز قومی وحدت و جمعیت کی بقاء اور اس کے فروغ کے لیے خوش آئند تھی۔اب لوگوں کے اوپر سے یہ پابندی و مجبوری جاتی رہی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ قبائلی سرداروں کی طرف رجوع کرنے، انہی کی سننے و ماننے اور انہی سے رہنمائی لینے لگے۔پھر بھی کسی کو اگر اطمینانِ قلب نصیب نہ ہو تو اس عہد کے قصیدوں اور نغموں پر نظر ڈال لے۔دیوان حماسہ کے صفحات پر حُریثُ بنُ عتّاب النبہانیؒ کے حسبِ ذیل اشعار آج بھی موجود ہیں۔اس عرب شاعر کے بارے کا تعارف کراتے ہوئے صاحبِ کتاب الاغانی لکھتے ہیں: شاعر إسلامی من شعراء الدولة الأموية. (۱۰) یعنی: عہد بنواُمیہ کا یہ اسلامی شاعر ہے۔اس کی اس نغمہ سرائی کے اندر عہدِ جاہلیت کی نسلی و خاندانی فخر و غرور اور امتیازات سے عبارت قبائلیت کی پوری تصویر بہت واضح ہے۔اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ماضی میں معزز گنے اور مانے جانے والے بڑے بڑے قبائل سے وابستہ لوگوں کی بڑی تعداد عہدِ بنواُمیہ کے ابتدائی وقتوں میں ہی پھر سے پرانی وضع اختیار کر چکی تھی۔لکھتا ہے:

تَعَالَوْا اُفَاخِرْكُمْ أَ أَعْيا وَ فَقْعَسٌ ۔۔۔ إلَى الْمَجْدِ أَدْنَى أَمْ عَشِيرَةُ حَاتِمِ
إلَى حَكَمٍ مِنْ قَيْسِ عَيْلَانَ فَيْصَلٍ ۔۔۔ و آخَرَ مِنْ حَيَّیْ رِبِيعَةَ عَالِمِ
ضرَبْنَاكُمْ حَتى إذَا قَامَ مَيْلُكُمْ ۔۔۔ ضَرَبْنَا الْعِدَا عَنْكُمْ بِبِيضٍ صَوَارِمِ
فَحُلُّوا بأكْنَافِي وَ أَكْنَافِ مَعْشَرِي ۔۔۔ أكُنْ حِرْزَكُمْ فِي الْمَأقِطِ المتَلاَحِمِ
فَقَدْ كَانَ أوْصَانِي أبِي أنْ أُضِيفَكُمْ ۔۔۔ إلَيَّ و أنْهَى عَنْكُمْ كلَّ ظَالِمِ.(۱۱)

ترجمہ: آؤ تم لوگ، میں تم سے مفاخرت کروں کہ آیا اُعیا اور فقعس بزرگی کے زیادہ قریب ہیں یا حاتم طائی کا خاندان؟

ایک قیس عیلان کے کسی مانے ہوئے فیصلہ کرنے والے حَکَم کے پاس چلیں گے اور دوسرا بنو ربیعہ کے کسی عالم شخص کے پاس۔

ہم نے تم لوگوں کو خوب مارا ہے یہاں تک کہ تم لوگوں کی کجی دور ہوگئی، پھر ہم نے تمہارے دشمنوں کی خبر لی اور ان پر تیز دھار تلواریں برسا کر ان کو تم لوگوں سے دور کر دیا۔

تو اب تم لوگ میری اور میرے عمرانی گروہ کی پناہ میں آجاؤ! میں تباہ کن جنگوں میں تمہارے محافظ کا کردار ادا کروں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ میرے باپ نے مجھے نصیحت کر دی تھی کہ میں تم لوگوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھوں اور یہ کہ ہر ظالم کو تم سے روکتا رہوں۔

لوگوں کی اس توجہ اور رجحان کی عمومی تبدیلی کا نقصان یہ ہوا کہ مسلم اُمہ کے سب سے بنیادی اور اہم ترین ادارے مسجد کی اجتماعی وعمرانی ساکھ اور حیثیت تباہ ہو کر رہ گئی۔ مسجد کی عمرانی ساکھ اور وقار قیامِ صلوٰۃ کے لیے ناگزیر شرط کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہیں سے اُسوہ عمرانی کے تحت معاشرتی وعمرانی ارتباط کا سلسلہ شروع ہوتا تھا اور ایک مربوط اور مؤثر عمرانی نظم ونسق وجود پذیر ہوتا تھا اس سب کی بنیادیں اکھڑ کر رہ گئیں۔ مسجد میں جمع ہو کر فقط چند رسمی فرائض وارکان کی ادائیگی ہی مطلوب نہ تھی بلکہ اس چھوٹے سے اجتماع کی وساطت سے اپنے قبیلہ کی جگہ اُصولِ مساوات کی عملداری میں باوقار طریقے پر اپنے اڑوس پڑوس سے میل جول، تعلقات اور روابط قائم کرنا اور بڑھانا مقصود تھا۔ یہ چیز قبائلیت کے ظالمانہ چنگل سے نکال کر لوگوں کو سماجی ومعاشی انصاف کی شاہراہ پر گامزن کرنے اور آگے بڑھانے کا عمل تھا۔ اور اپنی عمرِ طبعی کے لحاظ سے یہ نظام ابھی نوخیز ونومولود ہی تھا کہ اپنی بنیادوں سمیت زندہ درگور کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی سب کچھ تباہ ہو کر رہ گیا۔ مسجد سے حکمرانوں کی وابستگی محض برائے نام سی ہو کر رہ گئی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری نبی ورسول تھے اور پوری انسانی برادری کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ عالمی سطح پر ایک عالمگیر معاشرت کے قیام کی ضرورت کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سطح پر انسانی تفریق اور چھوٹی چھوٹی گروہ بندیوں کی حوصلہ شکنی فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ اَغلب یہی ہے کہ مذہبی بنیادوں پر سابق انسانی تجربات کا بھی لحاظ فرمایا۔ قرآن حکیم نے خود ان تجربات کی نشاندہی اس طور فرما دی تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَـا أَيُّهَـا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ. (التوبہ: ٣٤)

ترجمہ: اے ایمان والو! یہ حقیقت ہے کہ علماء ومشائخ کی اکثریت یقینی طور سے لوگوں کے اموال باطل طریق پر

کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ پر چلنے سے روکتے ہیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ عمرانی کے تحت قائم ہونے والی معاشرت میں مذہبی پیشوائیت کی کہیں کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی۔ بلکہ اس کی جگہ قومی قیادت کی اُصولی بنیاد کے طور پر اُولوالامر کی ایک نئی اور صحت بخش سوچ عطا فرمائی تھی۔ اُولوالامر کی اصطلاح اور اس کے عمرانی کردار کا ذکر سورہ نساء کی آیت: ۵۹، اور آیت: ۸۳ میں موجود ہے۔ ان اُولوالامر کا حقیقی مولد و منشا بھی مسجد ہی تھی۔ اس کا یہ بیج بھی، جسے ایک نئے عمرانی تجربے کے طور پر اگنے، پروان چڑھنے اور اپنا وجود منوانے کے لیے چند نسلوں تک کی شفاف مہلت درکار تھی، ان ناسازگار حالات کے باعث اپنی نرسری میں ہی دفن ہو کر تباہ ہو گیا۔ ان اُولوالامر کے لیے مختص اختیارات حکمرانوں اور از خود جنم لینے والی مذہبی پیشوائیت کے مابین وجہ نزاع بن کر رہ گئے۔ ایک طرف سابق قبائلیت کا احیاء تو ہو ہی چکا تھا یہ دونوں گروہ بھی اس عزم کے ساتھ میدانِ عمل میں سرگرم ہو گئے کہ ہر قیمت پر اپنے وجود کا تحفظ کرنا ہے۔ ان کو یہ زعم تھا کہ گویا ان کی سلامتی کے ساتھ دینِ نبی کی سلامتی مشروط ہو گئی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان دونوں میں سے کسی نے کبھی دوسرے فریق کو دل سے کبھی قبول نہ کیا۔ دوریاں نہ صرف یہ کہ قائم رہیں بلکہ بڑھتی ہی چلی گئیں۔ ان حالات میں دین کی محبت کا سہارا لے کر سب سے زیادہ فائدہ پیشوائیت نے اٹھایا اور اپنی ایک ٹھوس اور مضبوط بنیاد قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

دین و سیاست کی یہ جدائی واقعی ایک بڑی اور دوررس اثرات کی حامل تبدیلی تھی۔ اس کے ہاتھوں ملت کو اور بھی کئی گہرے گھاؤ لگتے رہے۔ اور قوم ایسے ایسے صدمات سے دوچار ہوتی رہی ہے کہ جن سے جانبر ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ واقعہ حرۃ اور مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پامالی نیز حادثہ کربلا سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ عدمِ تحفظ کے احساس کو اور بھی بھڑکانے بڑھاوا دینے کے لیے اُسوہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باقیات تک کی تواتر کے ساتھ ناقدری کی جاتی رہی۔ یہی کچھ حالات تھے کہ ملت کا نظامِ حیات، پوری طرح سے نئے قوالب میں ڈھل جانے کے بعد، بے جان سا ہو کر سن ۱۳۲ ہجری کے ماہِ ربیع الثانی کے درمیانی عشرے میں اپنا سر بنو عباس کے کندھوں پہ رکھ دیتا ہے۔ پھر صدیوں یونہی پڑا رہ جاتا ہے۔ حضرت عباس کے پڑپوتے کے بیٹے عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس پہلے عباسی خلیفہ بن گئے (۱۲)۔ عہدِ ماضی کے متواتر صدمات کے باعث تب تک خود بنو عباس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ چنانچہ پہلے عباسی خلیفہ کے کارنامے اس دعوے کی تصدیق کے کے لیے کافی شہادت کا درجہ رکھتے ہیں۔ اقتدار ایک قبائلی گروہ سے دوسرے اور نسبۃً بپھرے ہوئے قبائلی گروہ کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ ہر سو قبائلیت چھائی رہی۔ اس قدر زیادہ کے پورا ماحول کانِ نمک کے ہم پلہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ کچھ عرصہ میں سب کچھ پوری طرح سے نمک میں بدل کر رہ گیا۔ قبائلیت اپنا لوہا منوا کر ذہنوں میں رچ بس چکی ہے۔ اور یہی وہ وقت ہے جب ملتِ اسلامی کے عہدِ تصنیف و تالیف کو شباب ملتا ہے۔ اُسوہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یادگار عمرانی نقوش بہت تیزی سے مٹتے چلے جاتے ہیں۔ ملت کی بنیادیں انہدام پذیر اور تبدیل ہو رہی ہیں

بلکہ بہت حد تک ہو چکی ہیں۔ اور تعبیر و تشریح کے غلغلہ میں کسی کو کان پڑی سنائی نہیں دیتی۔

ایک طبیبِ حاذق کے پاس جانے اور اپنے امراض کی شفا طلب کرنے کے کچھ لازمی تقاضے ہیں جن کی پابندی کیے بغیر ناکامی کا الزام اس طبیب کے سر رکھ دینا سراسر ظلم و ناانصافی ہے۔ اپنی کوتاہی کا ذمہ دار انسان خود ہوتا ہے۔ البتہ ہدایات پر کماحقہ عمل کیا جائے اور نتائج ٹھیک نہ ہوں تو بلاشبہ آپ کو حق ہے کہ شکوہ و شکایت کریں۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں رہا کہ عالمِ انسانیت کی نجات کا واحد راستہ ایک ایسی فلاحی ریاست کا قیام ہے جو ان تمام اُمور کی ضامن ہو جو میثاقِ مدینہ کے مختصر صحیفے کی روح اور اس کے بنیادی نکات ہیں۔ یعنی اُصولِ مساوات کے تحت ریاست کے سب باشندوں پر یکساں ریاستی بالادستی و تحکم، سب باشندوں کا خیر کے عمل پر باہمی تعاون اور ظلم و ظلم پروری سے مکمل گریز و اجتناب کا پختہ عہد اور ان تمام اُمور کو درست سمت میں جاری و ساری رکھنے کیلئے ایک کڑے احتساب کے سر پر بے لوث و بے لاگ عدل اجتماعی کا قیام اور اس کی مسلسل نگرانی کا عمل۔ یہ تمام حیات بخش تعلیمات صحیفوں میں تو موجود ہیں مگر ہماری مسلم معاشرت کی عملی دنیا میں اس کی جھلک دیکھنے کو نہیں ملتی۔ ہمارے اہل دانش کو ان صحیفوں تک خود اور براہِ راست رسائی پیدا کرنے کی کوئی سبیل نکالنی ہوگی۔ مترجمین اور اہل لغت کے تعلق سے بھی یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ متاثرہ ذہن ہی رکھتے تھے۔ اس لیے احتیاط کی ضرورت اُور بھی بڑھ گئی ہے۔ اب وقت اور حالات نے یہ صورت پیدا کر دی ہے کہ حقیقت کا کھوج لگانا بھی خاصا آسان ہو چکا ہے۔ دنیا کا خیر کی سمت میں دھیان بھی تیزی سے فروغ پذیر ہے۔ ظلم، پوری دنیا میں اپنے راج کے دن تقریباً پورے کر چکا ہے۔ اس سے نفرت اور انسانیت کی بنیادی اقدار کی حفاظت اور عدل و انصاف کی طرف عالمی سطح پر میلان بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ پاکستان نوے کی دہائی کے کچھ واقعات کے ردِعمل میں تبدیلی کے ایک نئے دور سے گزر رہا ہے۔ اس تبدیلی کو مقامی اور عالمی سطح پر پذیرائی بھی مل رہی ہے اور حوصلہ افزائی بھی مسلسل ہو رہی ہے۔ ایسے میں اہل دانش کے ذمہ لازم ہے کہ اس تبدیلی کے عمل کو کسی طرح سے نقصان نہ پہنچنے دیں تا آنکہ فطری اُصولوں کے تحت یہ نوخیزی سے نکل کر پختگی کے دور میں داخل ہو جائے۔ اور اس کے حقیقی فوائد و ثمرات خلقِ خدا تک پہنچنے لگ جائیں۔ یہ وہ مقام ہوگا جہاں ہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ عمرانی سے انحراف اور اس کے نتیجے میں پہنچنے والے جملہ نقصانات کا ملاً احساس و ادراک کر سکیں گے۔ ماضی کے جملہ حالات کا موازنہ اور تجزیہ جب اس اُمر کی تصدیق کر دے گا کہ اُمن و عافیت کا حصول اُسوہ عمرانی سے وابستگی کے بغیر ممکن نہیں تو ہم لوگوں کا شعورِ اجتماع مضبوط اور ایمان پختہ ہوگا۔ اس طرح سے ہماری دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی۔ اگر ایسا کر سکے تو پوری اسلامی دنیا کی قیادت و سیادت یقینی طور سے پاکستان کے ہاتھوں میں ہوگی۔ اور ہم ایک باوقار قوم کے طور پر اپنا عالمی تشخص اجاگر کرنے میں سرخرو بھی ہوں گے۔

ماخذ و مراجع

۱۔ ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر الدمشقی، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، تحقیق وتخریج: شعیب الارؤوط، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۹۸ء، ص: ۵۸۔۳۵۹، ج: ۳

۲۔ طبری، محمد بن جریر، ابوجعفر، تاریک الرسل والملوک، مصر، دار المعارف، ۱۹۶۲ء، ص ۶۰۔۶۱، ج ۳

۳۔ ابن ہشام، عبدالملک، ابومحمد، السیرۃ النبویہ، برحاشیہ الروض الانف، ملتان، عبدالتواب اکیڈمی، بلاسن طباعت، ص: ۲۷۴، ج ۲

۴۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کراچی، دارالاشاعت، اول: ۱۹۸۵ء، ص ۲۹۹، جلد ا

۵۔ ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع الزہری، کتاب الطبقات الکبیر، قاہرہ، مکتبۃ الخانجی طبع اول: ۲۰۰۱ء، ص ۱۳۲، ج: ۲

۶۔ سجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد مترجم، لاہور، اسلامی اکادمی، ذی الحجہ: ۱۹۸۳ء، ص ۳۰۔۴۳۱، ج: ۳

۷۔ سید امیر علی، تاریخ اسلام، لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، مارچ: ۲۰۰۹ء، ص ۵۸۔۵۹

۸۔ مسعودی، علی بن الحسین، مروج الذہب، بیروت، دارالکتب، طبعۂ اولی، ص: ۴۷۵، ج: ۲

۹۔ ایضاً ص ۷۵۔۴۷۶، ج: ۲

۱۰۔ ابو الفرج، علی بن حسین اصفہانی، کتاب الاغانی بتحقیق: الدکتور احسان عباس، بیروت، دار صادر، الطبعۃ الثالثۃ، ۲۰۰۸ء، ص: ۲۴۹، ج: ۱۴

۱۱۔ ابوتمام، حبیب بن اوس الطائی، دیوان الحماسہ (مترجم) لاہور، مکتبہ سلفیہ، بلاء ۱۹۶۵ء، ص: ۶۹

۱۲۔ مسعودی، علی بن الحسین، مروج الذہب بحولہ بالا ص: ۳۰۴، ج: ۳، خلاصہ